بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظرات

دنیائے اسلام کو اپنی تاریخ میں کئی عظیم " فتنوں " کا سامنا کرنا پڑا ہے - اس سلسلے کا پہلا عظیم " فتنہ " یونانی فلسفہ اور ایرانی تہذیب کی وہ یلغار تھی ، جس سے ایک وقت میں واقعہ یہ ہے کہ ملت اسلامیہ کو یہ حقیقی خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ اس کی لپیٹ میں آکر کہیں خدا نخواستہ اسلام کی باطنی و خارجی قلب ماہیت نہ ہو جائے - اتفاق سے اس وقت یونانی فلسفہ اور ایرانی تہذیب کے جو مراکز تھے ، ان کی کوئی سیاسی قوت نہ تھی اور اس کے مقابلے میں مسلمان اپنے بھر پور توسیعی و ترقی کے دور میں تھے - چنانچہ وہ اس " فتنہ " پر غالب آئے - اور یونانی فلسفہ اور ایرانی تہذیب مغلوب ہوکر اسلامی فکر اور اسلامی کلچر میں مدغم ہوگئی اور اس نے اسلامیت کا رنگ اختیار کرلیا -

*

دوسرا بڑا " فتنہ "، گیارھویں صدی عیسوی میں مشرق قریب کے مسلمان ملکوں پر مسیحی صلیبیوں کے مسلسل دو سو سال تک لگا تار حملے تھے ، جن سے دنیائے اسلام کا یہ حصہ تباہ و برباد ہوگیا - اور وہاں کی علمی و تہذیبی اور اجتماعی و معاشی زندگی کو نا قابل تلافی نقصان پہنچا - تیرھویں صدی میں وسط ایشیا سے تاتاریوں کا زبردست ریلا آیا - اور اس نے افغانستان سے لے کر موجودہ ترکی تک کے سارے مسلمان ملکوں کو آگ اور خون میں غرق کر دیا - اس سے نہ تو کتب خانے بچے نہ شہر اور آبادیاں اور نہ خدا کی مخلوق - اس میں شک نہیں کہ صلیبی حملوں اور تاتاری غارت گریوں سے دنیائے اسلام جس طرح تباہ ہوئی ، اس کی اب تک تلافی نہیں ہو سکی - لیکن یہ عالم گیر تباھی و بربادی لانے والی خونخوار طاقتیں ذہنی و تہذیبی لحاظ سے مسلمانوں کے مقابلے میں بالکل صفر تھیں - چنانچہ جہاں یورپ کے صلیبی حملہ آور دنیائے اسلام کی اعلیٰ تہذیب کے بہت سے اثرات ساتھ لے کر واپس گئے - وہاں تاتاریوں کا یہ ہوا کہ "پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانوں سے"

*

لیکن پچھلے ڈیڑھ سو سال سے دنیائے اسلام جس "فتنے" سے دوچار ہے - اس سے کوئی انکار نہیں کرے گا کہ اسے اپنی پوری تاریخ میں ایسے عظیم اور ہمہ گیر فتنے سے کبھی سابقہ نہیں پڑا - یہ " فتنہ "، سیاسی بھی ہے معاشی بھی - علمی و فکری بھی ہے اور تہذیبی و تمدنی بھی - غرض مسلمانوں

کی انفرادی و اجتماعی اور داخلی و خارجی زندگی کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا شعبہ بھی ایسا نہیں ' جو اس کی زد میں نہ آیا ہو ۔ اور اس میں اس نے غیر معمولی اختلال و ہیجان نہ پیدا کیا ہو ۔ اس '' فتنے '' نے جب دنیائے سلام کا رخ کیا ، تو اس کی پشت پر زبردست فوجی قوت اور انتہائی مؤثر اور فعال سیاسی نظام تھا ۔ پھر اس وقت وہ جن علوم و فنون اور تہذیبی تصورات اور اصول کار کے ساتھ ادھر آیا ۔ یہ حقیقت ہے کہ دنیائے اسلام کے پاس بحثیت مجموعی ان کے توڑ کا کوئی سامان نہ تھا ۔ یہ '' فتنہ '' اپنی تمام غارت گرانہ ھوسناکیوں اور اپنے کل شیطانی ھتکنڈوں کے باوجود تاریخ انسانی کے قدرتی ارتقاء کے اس دور کی چیز تھی ' جو اپنی داخلی صلاحیتوں کی بنا پر ترقی پذیر، وسعت خواہ اور آگے بڑھنے والا تھا ۔ اس کے بر عکس مسلمان ملک ایک انتشار پذیر اور جان بلب جاگیر دارانہ دور سے گزر رہے تھے ۔ ظاہر ہے طرفین میں تصادم ناگزیر تھا ۔ اور جب وہ ہوا تو دنیائے اسلام کی تمام چولیں اس سے ھل گئیں ۔ اور اس کا شیرازہ بکھرنا شروع ہو گیا ۔ سیاسی و معاشی بھی ۔ تہذیبی و تمدنی بھی اور ذہنی و روحانی بھی۔ ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ یورپ کا یہ سیلاب مسلمان ملکوں کو بالکل اپنے ساتھ بہا کر لے گیا ۔

*

خدا نے کیا ' دنیائے اسلام سے اس '' فتنے کا سیاسی تغلب تقریباً ختم ہو گیا ہے ۔ اور اس کے معاشی تغلب سے نجات پانے کے لئے اب ہر مسلمان ملک میں بڑے زور شور سے جد و جہد ہو رہی ہے ' اور نو آزاد مسلمان ملکوں کی پوری توجہ ادھر ہی مبذول ہے ۔ یہ تو زندگی کے خارجی مظاہر ہوئے جہاں تک مسلمانوں کی وسیع تر داخلی زندگی کا تعلق ہے ۔ روح مسلمان میں آج جو ہم زبردست اضطراب پاتے ہیں ' وہ در اصل اسی ''فتنے'' کے معنوی و باطنی تغلب کے خلاف مسلمانوں کی کشمکش کا نتیجہ ہے ' جو پوری قوت کے ساتھ ہر مسلمان ملک میں ہو رہی ہے ' اور جیسے جیسے مسلمان ملک سیاسی و معاشی لحاظ سے مظبوط ہوں گے ' ان کی یہ کشمکش زیادہ شدید ' زیادہ گہری اور زیادہ وسیع ہوگی۔ یہ اسلامی معاشرے کے انتشار و انحلال کی علامت نہیں بلکہ یہ یورپی تہذیب کی معنوی سیادت پر اس کے غالب آنے کی کوشش ہے ۔ محکوم و مغلوب اسلام اب اس محکومیت و مغلوبیت سے نکلنا چاہتا ہے ۔ اور اس کا واحد راستہ تشکیل نو کا ہے ' خارجی بھی اور داخلی بھی ۔

*

تاریخ اسلام کے ہر دور میں بڑے بڑے مجدد اور مصلح ہوئے ہیں اور اپنے اپنے زمانے میں جن چھوٹے بڑے فتنوں سے انہیں سابقہ پڑا ' یقیناً وہ ان سے عہدہ برآ ہوئے اور اپنے ماحول اور صلاحیتوں کے مطابق انھوں نے امت کی رہنمائی کے فرائض انجام دئے ۔ یہ عظیم '' فتنہ '' جس سے ہم دو چار ہیں '

اس کے مقابلے کے لئے جو کوششیں ہو چکی ہیں ان کی ایک لمبی تاریخ ہے اور کوئی مسلمان ملک ایسا نہیں ، جہاں کسی نہ کسی شکل میں یورپ کے سیاسی تسلط اور تہذیبی برتری کے خلاف جد و جہد نہ کی گئی ہو۔ یہاں ہمارے پیش نظر ان سب کا احصا نہیں ، بلکہ ہم ان کوششوں کا ذکر کرنا چاہتے ہیں ، جو آج روح مسلمان میں پیدا شدہ ہمہ گیر اضطراب سے تعلق رکھتی ہیں ، اور جن کے پیش نظر مسلمانوں کی داخلی زندگی کی تشکیل نو ہے۔

ایک مذہب جس کی چودہ سو سال کی ہنگامہ خیز اور واقعات و حوادث سے بھری ہوئی تاریخ ہو ، اس میں مختلف مذہبی فرقوں کا پیدا ہو جانا چنداں تعجب کی بات نہیں ۔ اور ایک مذہب جس کے ماننے والے کروڑوں کی تعداد میں اتنے کثیرالتعداد اور دور دراز ملکوں میں ہوں ، ان کا مختلف قومیتوں میں بٹا ہونا اور ان سب کی ایک سیاسی و انتظامی وحدت نہ ہونا ہمیں زیادہ کھٹکنا نہیں چاہئیے ۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ہمیں یہ سمجھ لینا چاہئے کہ بے شک ہر مسلمان مذہبی فرقے کا اپنا مقام اور ہر مسلمان ملک کا اپنا مستقل سیاسی وجود ہے اور اس کی کلیتہً نفی نا ممکن ہے اور نہ قرین مصلحت ۔ کیونکہ یہ کثرت تاریخ اور جغرافیہ کی پیدا وار ہے اور تاریخی اور جغرافیائی عوامل اپنی جگہ ایک حقیقت ہیں ، جن سے انکار نہیں کیا جا سکتا ۔ لیکن آج اگر مسلمان بحیثیت مجموعی بین‌الاقوامی زندگی میں وقار چاہتے ہیں ، اور ان کی خواہش ہے کہ دوسری قومیں ان کی بات توجہ سے سنیں ، تو ان کو لامحالہ ایک دوسرے سے قریب آنا ہوگا ۔ اور باہمی تعاون کے لئے زیادہ سے زیادہ راہیں نکالنا ہوں گی ۔ آپس کے اتحاد و تعاون کے بغیر آج کی دنیا میں ان کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوگی ۔

اس کے ساتھ ساتھ ہمیں اپنی مذہبی فرقہ وارانہ سرگرمیوں کے دوائر کار بھی معین و محدود کرنے ہوں گے ۔ بہتر یہ ہے کہ ان کا زور زیادہ تر ہر فرقے کے عام اصلاحی اور تعمیری پہلوؤں پر رہے۔ اور فرقہ وارانہ تنظیم اگر ہو بھی ، تو صرف معاشرتی فلاح و بہبود کی حدود تک ۔ عقائد کے بارے میں حتی‌الوسع پہلے کی طرح کی مناظرانہ و مجادلانہ بحثوں سے احتراز کیا جائے۔ اور مختلف مذہبی فرقوں کے بارے میں یہ تصور عام کیا جائے کہ یہ ایک ہی شجر ملت کی مختلف شاخیں ہیں ۔ شاخیں ہونے کی حیثیت سے الگ الگ ، لیکن سب کی جڑیں اور تنا ایک ہے ۔ اب وہ زمانہ نہیں رہا کہ ایک فرقے کو کل اسلام کا قائم مقام سمجھا جائے ۔ اور اس بنا پر ہر فرقہ دوسرے سے دست و گریباں ہو، اور اس طرح مسلمانوں میں عناد بڑھے۔ جزو کو کل سمجھنے اور کل کو جزو

کی سطح پر لانے کا پرانا چلن اب ختم ہونا چاہئے - اور یہ جتنا جلد ختم ہو، خود فرقوں کے افراد کے حق میں اچھا ہوگا۔ اجتماعیت اس دور کا تقاضا ہے اور دین اسلام کی تو سب سے بڑی خصوصیت ہی یہی ہے۔

*

آج سے تقریباً ستر اسی سال پہلے سید جمال الدین افغانی رح ، نے تمام دنیا کے مسلمانوں کو اسی کی دعوت دی تھی - وہ مسلمانوں کے سیاسی اتحاد کے داعی ہونے کے ساتھ ساتھ انہیں دینی اعتبار سے بھی باہم متحد کرنے کے ساعی تھے - انہوں نے قرآن مجید اور سنت متواترہ کو اسی دینی اتحاد کا مرکزی نقطہ قرار دیا - وہ فرماتے ہیں :- قرآن مجید رشد و ہدایت کا مصدر اور اساس ہے اور اس کی تفسیر و تشریح کے ضمن میں جو کچھ بھی ذخیرہ ہے - اس کی حیثیت وحی کی نہیں - وہ اسلاف کرام کی آراء ہیں ، آپ ان کی طرف رجوع کرسکتے ہیں۔ اس کے بعد آتی ہے سنت متواترہ ''—سنت متواترہ کی تشریح سید جمال الدین افغانی یوں کرتے ہیں :- '' فالتواتر ' والاجماع و اعمال النبی المتواترة الی الیوم هی السنة الصحیحة التی تدخل فی مفهوم القرآن والدعوة الی القرآن وحده'' (مجموعه العروة الوثقی)

سید جمال الدین افغانی رح کے بعد ان کی اتحاد دینی کی یہ دعوت گو زیادہ عام نہ ہوسکی ، لیکن تمام مسلمان ملکوں میں اس خیال کے حامی اصحاب علم و فکر ایک ایک دو دو ضرور پیدا ہوتے رہے اور اسی طرح یہ سلسلہ دعوت آگے بڑھتا چلا گیا - اب اس دعوت کے عام ہونے کے لئے دنیائے اسلام کے حالات بڑے ساز گار ہیں ' اور خود مسلمانوں کی اپنی ضرورتیں اور اس کے ساتھ ساتھ زمانے کے تقاضے انہیں مجبور کر رہے ہیں کہ سید جمال الدین افغانی نے عہد حاضر میں جو راہ دکھائی تھی - اس پر وہ چلنے کی کوشش کریں ہمیں یہ حقیقت واقعی ، ذہن نشین رکھنی چاہئے کہ تعمیر و تشکیل کی راہ اتحاد و اتفاق سے نکلتی ہے - تفرقہ و عناد بے عملی و انتشار کی طرف لے جاتا ہے یہ قانون قدرت ہے اور اس سے مفر نہیں

*

قرآن مجید اور سنت—قرآن مجید ان معنوں میں جن کی طرف سید جمال الدین افغانی نے ارشاد فرمایا اور سنت اس اعتبار سے کہ اس میں تواتر اور اجماع دونوں شامل ہوں ''فکرو نظر'' میں اس کو 'سنت جاریہ' کا نام دیا گیا ہے ہمارے نزدیک یہ دو اساس نہ صرف تمام مسلمانوں کو ایک دوسرے سے قریب کر سکتے ہیں اور ان کی فرقہ وارانہ علیحدگی پسندی ختم ہو سکتی ہے بلکہ یہ ان کی معنوی و داخلی تشکیل نو کا بھی نقطہ آغاز ہو سکتے ہیں اور روح مسلمان میں آج جو اضطراب ہے اسے ان کی مدد سے دور کیا جا سکتا ہے۔